Research Journal Ulum-e-Islamia

Journal Home Page: https://journals.iub.edu.pk/index.php/Ulum.e.Islamia/index

ISSN: 2073-5146(Print) ISSN: 2710-5393(Online)

E-Mail: muloomi@iub.edu.pk Vol.No: 29,Issue:02 .(July-Dec) 2022

Published by:Department of Islamic Studies, The Islamia University of Bahawalpur

جنم مخالف نظریہ کا تعارف، تاریخی ارتقاء اور بنیادی مستدلات

An introduction, historical evolution and fundamental arguments of Anti-Natalism

Farhad Ali

Ph.D Research Scholar, HITEC University, Taxila.

Email: farhadali07860@gmail.com

Anti-Natalism is a primitive doctrine and nobody has a certain knowledge about its beginning. However, the ancient Greek and Buddhist civilizations claim some signs of the existence of this doctrine and its followers. Anti-Natalism is a philosophy which condemns the life and holds annihilation as superior in comparison. The believers of this doctrine have asked the people to stop reproducing human beings. They have produced various arguments in favor of their demand to forsake the birth process. This research article attempts to focus on the introduction, historical evolution and fundamental arguments of the doctrine of Anti-Natalism. This research shows that Seana Valentine Shiffirn argues that the undertaking of the birth process makes no sense since we are unable to question the person to be born about his consent prior to his birth. David Benatar is of the opinion that we have no moral justification to undergo the birth process because it results in a huge loss for the person to be born. An important name in the list of the advocates of Anti-Natalism doctrine is that of Schopenhauer who invalidates the birth process on pessimistic grounds. Similarly, Karem Akerma pleaded against the birth process on the basis of Ethical Vegetarianism. The basic concept of Ethical Vegetarianism is that all those activities that are harmful for animals should be abandoned. The key point of Dr Gerald Harrison's argument is that man is the most disastrous animal on planet earth so mankind should be eliminated from this planet which is practically possible only if the men of this age stop reproducing themselves.

Key Words: Anti-Natalism, Birth process, Life, Annihilation, Existence.

موضوعِ تحقیق کا تعارف اور ضرورت و اہمیت

اولاد کی خواہش انسانی فطرت میں ودیعت کردہ ہے اسی وجہ سے تمام انسانیت بلا تفریق رنگ و نسل و بلا تفریقِ علاقہ و مذہب صدیوں سے حصولِ اولاد پر متفق ہیں اور نکاح کے مقدس بندھن کے ذریعہ نسلِ انسانی کی سلسلہ کو جاری و ساری رکھے ہوئے ہیں۔ اسلام میں بھی حصولِ اولاد کی بہت اہمیت و فضیلت ہے۔ جوازِ نکاح کی متعدد وجوہات میں سے ایک وجہِ جواز یہ ہے کہ نکاح نسلِ انسانی کے بقاء و تسلسل کے ساتھ ساتھ تحفظِ نسب کا بھی ضامن ہے۔ آپؐ نے بھی متعدد احادیث میں حصولِ اولاد کی فضیلت بیان فرمائی اور کثرتِ امت کو روزِ قیامت اپنے لیے فخر و مباہات کی وجہ قرار دیا۔

اس کے برعکس عصرِ حاضر میں کچھ ایسے فلسفیانہ نظریات سامنے آئے ہیں جن کی بناء پر انسانیت سے یہ تقاضا کیا گیا ہے کہ وہ مزید اولاد پیدا کرنا بند کر دیں۔ اس نظریہ کو (Anti-Natalism) جنم مخالف نظریہ کہا جاتا ہے۔ مذکورہ اصطلاح کا اولین استعمال David Benatar نے اپنی مشہور کتاب "Better Never to have been, The Harm of Existence." میں کیا۔ اس نظریہ نے عصرِ حاضر میں ایک منظم و مربوط تحریک کی شکل اختیار کر لی ہے اب اس تحریک سے وابستہ افراد مختلف سیمینارز میں مدعو کیے جاتے ہیں جہاں ان کا بیانیہ پڑھا اور سنا جاتا ہے، اس نظریہ کے قائلین کی جانب سے مختلف کلب بنائے گئے ہیں جن کی ممبر شپ کا آغاز ہو چکا ہے۔ نیز اس نظریہ کے قائلین کی جانب سے مختلف تحریکوں کا آغاز و انعقاد کیا جا چکا ہے اور رفتہ رفتہ یہ نظریات عوام میں مقبول ہوتے جا رہے ہیں۔ اس لیے اس بات کی ضرورت تھی کہ اہل علم حضرات کے سامنے اس نظریہ کا ایک مختصر تعارف، تاریخی ارتقاء اور اس نظریہ کے قائلین کے مختلف مستدلات ذکر کیے جائیں تاکہ اہلِ علم حضرات اس نظریہ کی بیخ کنی کے لیے کمربستہ ہوں۔ لہٰذا اس مقالہ میں اس نظریہ کا تعارف اور اس نظریہ کے قائلین کے بنیادی مستدلات کو ذکر کیا جائے گا۔ البتہ ان مستدلات کا جواب پیش کرنا ہمارے اس مقالہ کا موضوع نہیں ہو گا۔

جنم مخالف نظریہ کا تعارف

Masahiro Morioka جاپان کی Waseda University میں ہیومن سائنس کے پروفیسر ہیں، انہوں نے ایک مقالہ اس نظریہ کی تعریف و توضیح، اس نظریہ کے ارتقاء اور اس کی اقسام کی وضاحت کے بارے میں لکھا ہے[1]۔ مقالہ کا عنوان "What Is Antinatalism Definition, History, and Categories" ہے۔ موصوف نے اپنے اس مقالہ میں اس نظریہ کی مختلف تعریفات ذکر کی ہیں جو عصرِ حاضر کے مختلف مفکرین و محققین نے پیش کی ہیں، ذیل میں ان تعریفات کو نقل کیا جاتا ہے تاکہ اس نظریہ کا اصطلاحی مفہوم سمجھا جا سکے۔

Masahiro Morioka کی ذاتی رائے میں "Antinatalism" کی تعریف ان الفاظ میں کی جا سکتی ہے:

> "Antinatalism is the thought that all human beings or all sentient beings should not be born."[2]

اس تعریف کا حاصل یہ ہے کہ تمام انسان اور حس و ادراک کی صفت سے متصف کسی بھی مخلوق کی پیدائش نہیں ہونی چاہیے۔

Masahiro Morioka نے اپنی تعریف پیش کرنے کے ساتھ ساتھ چند دیگر مفکرین کی بیان کردہ تعریفات بھی ذکر کی ہیں مجموعی طور پر ان کی ذکر کردہ تعریفات چار ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

"The view that it's better never to have been born and hence that procreation is wrong."[3]

یعنی یہ نظریہ کہ پیدا نہ ہونا بہتر ہے لہٰذا مزید انسان پیدا کرنا ایک غلط اقدام ہے۔

J. Robbert Zandbergen کے حوالے سے اس نظریہ کی تعریف ان الفاظ میں نقل کی گئی ہے:

"Antinatalism is the conviction that human existence is not intrinsically more valuable than nonexistence. This incongruence at the heart of human reality may further inspire the conviction that human reproduction must be brought to an absolute halt."[4]

یعنی یہ ایک ایسا نظریہ ہے جس کے مطابق انسانیت کا وجود بنسبت عدم وجود کے کسی اہم مقام و مرتبہ کا حامل نہیں ہے اس نظریہ کے ساتھ ہم آہنگی لوگوں کو اس بات پر ابھارتی ہے کہ مزید انسان پیدا کرنے کا سلسلہ بالکل رک جانا چاہیے۔

"Anti-natalism is the view that it is morally impermissible to bring a child into existence. Anti-natalism is a moral position concerning prospective procreation. As such, it is a moral thesis against procreation for the purposes of bringing new humans into existence."[5]

یعنی جنم مخالف نظریہ کی بنیادی سوچ اور فکر یہ ہے کہ مزید بچے پیدا کرنے کا کوئی اخلاقی جواز ہمارے پاس نہیں ہے۔ یہ ممکنہ عملِ پیدائش سے متعلق ایک نظریہ ہے جو نئے انسانوں کو معرضِ وجود میں لانے کی مخالفت کرتا ہے۔

"Anti-natalism is the ethical view that it is morally wrong for people to reproduce."

یہ ایک اخلاقی نظریہ ہے جس کے مطابق مزید انسان پیدا کرنا اخلاقی طور پر غلط ہے۔

حاصل ان تمام تعریفات کا ایک ہی ہے کہ عدم بنسبت وجود کے بہتر ہے اور موجودہ انسانوں کی ذمہ داری اور ان کا اخلاقی فریضہ ہے کہ عملِ پیدائش ترک کر دیں اور مزید انسان پیدا نہ کریں۔

قدیم یونانی تہذیب اور جنم مخالفت

حیاتِ دنیاوی کو بدتر اور اولاد کو قبیح سمجھنا ایک قدیم تصور ہے جس کی اصل قدیم یونانی تہذیب میں پائی جاتی ہے۔ متعدد محققین نے اہلِ یونان میں اس تصور کے پائے جانے کی تصریح کی ہے۔ زمانۂ قبل مسیح میں اس قسم کا لٹریچر لکھا گیا تھا جس کا موضوع عدم کو وجود سے بہتر قرار دینا اور حیاتِ دنیاوی کی برائی ثابت کرنا تھا۔ Masahiro Morioka اپنے مقالہ میں ایک قدیم تحریر ان الفاظ میں نقل کرتے ہیں:

"Never to be born is the best story. But when one has come to the light of day second-best is to leave and go back quick as you can back where you came from."[6]

مذکورہ بالا تحریر کا مدعیٰ یہ ہے کہ پیدا نہ ہونا ایک بہترین امر ہے اور اگر بالفرض کوئی انسان وجود پذیر ہو چکا تو دوسرے درجہ کی بہتری یہ ہے کہ حیاتِ دنیاوی کا ترک کیا جائے اور اپنے اصل مبدا کی طرف جتنی جلدی ممکن ہو سکے رجوع کیا جائے۔

تمام دنیا کے انسانوں میں زمانۂ قدیم سے یہ تصور موجود ہے کہ انسان اپنی جان و نفس کا مالک ہے، اس تصور کی وجہ سے جہاں ایک طرف انسانوں میں خودکشی کا رجحان پایا جاتا رہا اور بڑے بڑے حکماء نہ صرف خودکشی کے جواز کے قائل تھے بلکہ بعض نے اس جرم کا ارتکاب بھی کیا تو دوسری طرف اپنی جان کا مالک ہونے کے تصور سے ایک اور نظریہ نے جنم لیا کہ انسان چونکہ اپنی اولاد کو اپنے وجود کا ہی ایک

حصہ سمجھتا ہے اور اولاد پر کافی حد تک تصرف بھی رکھتا ہے لہٰذا والدین کے لیے اولاد کو قتل کرنا بھی جائز ہے۔ اسی وجہ سے مختلف اقوام میں قتل اولاد کی قبیح رسم جاری ہوئی۔ علامہ شبلی نعمانیؒ لکھتے ہیں:

"ہندوستان اور کار تھیج میں عین تہذیب و تمدن کے زمانہ میں بھی اولاد کو بتوں اور دیویوں پر نذر چڑھاتے تھے، ہندوستان اور خود عرب میں نہایت کثرت سے دختر کشی جاری تھی، اسپارٹا اور رومن میں بد صورت اولاد کو راستہ میں پھینک دیتے تھے، ارسطو اور افلاطون جیسے نامور حکیم اس بات کو جائز سمجھتے تھے کہ ضعیف اولاد ضائع کر دی جائے، ارسطو کی رائے تھی کہ لنگڑے لڑکے پرورش کے قابل نہیں، اسپارٹا میں جب لڑکا پیدا ہوتا تھا تو بزرگان قوم کے سامنے پیش کیا جاتا تھا اگر وہ تندرست اور قوی ہوتا تھا تو زندہ رکھا جاتا تھا ورنہ ٹائیجبس پہاڑ پر اسے گرا دیتے تھے"۔[7]

اگرچہ اہلِ یونان میں جنم مخالف نظریہ موجودہ ہیئت و صورت میں نہیں تھا لیکن علامہ شبلیؒ کی اس تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نظریہ کے بنیادی خدوخال ان میں ضرور پائے جاتے تھے۔ اس مقالہ میں آگے چل کر موجودہ دور میں اس نظریہ کے حاملین کا بنیادی استدلال ذکر کیا جائے گا جس سے یہ واضح ہو جائے گا کہ عصرِ حاضر کے جنم مخالفین اور زمانہ قدیم کے جنم مخالفین کے بنیادی استدلال میں کافی حد تک مطابقت و موافقت پائی جاتی ہے۔

Asheel Singh[8] نے ایک مقالہ لکھا ہے جس کا عنوان ہے " Assessing Anti-Natalism, A philosophical Examination of the morality of procreation," ۔ اپنے مقالہ کے آغاز میں وہ جنم مخالف نظریات کی اصل بتاتے ہوئے اس نظریہ کو نہایت قدیم نظریہ قرار دیتے ہیں اور حیاتِ دنیاوی کو برا قرار دینے میں بائبل کا سہارا لیتے ہیں جس کے مطابق زندگی میں بے مقصدیت پائی جاتی ہے اور ظاہر ہے کہ بے مقصد، فضول اور عبث زندگی کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی۔ وہ لکھتے ہیں:

''Anti-natalism has a rich philosophical heritage, with its roots stretching back to antiquity. For instance, Ecclesiastes of the Hebrew bible bemoans the apparent meaninglessness and futility of existence- A state of affairs with which any number of generations of humans must cope.''[9]

یہاں یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ اگرچہ جہلاءِ عرب میں بیٹیوں کو قتل اور زندہ در گور کرنے کا ایک عام چلن تھا جو کہ ایک محدود تصور تھا لیکن جنم مخالف نظریہ ایک وسیع تر مفہوم رکھنے والا نظریہ ہے جس کے اغراض و مقاصد میں نہ صرف بچیوں کا افناء و اعدام شامل ہے بلکہ اس نظریہ کا مقصد تمام تر انسانیت کا اس روئے زمین سے خاتمہ ہے اور اس نظریہ کی انتہائی قسم میں تمام جاندار اشیاء کا خاتمہ بھی بطورِ مقصد اپنایا گیا ہے جیسا کہ 'Masahiro Morioka' کی ذکر کردہ تعریف میں " all human beings or all sentient beings " کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے۔ مولانا عبد الماجد دریابادی اس قبیح رسم کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں:

"یہ قتل اولاد کی ملعون رسم، دختر کشی کے دستور کے علاوہ ہے۔ مقصود اس سے تمام تر روکنا ہے"۔[10]

حقیقت یہ ہے کہ جنم مخالف نظریہ کی بنیاد و اساس وہی قدیم سوچ ہے جس کی بنیاد پر اہلِ عرب اپنی اولاد کو قتل کیا کرتے تھے، اس نظریہ کے دلائل بھی وہی ہیں جن کا سہارا لے کر اہلِ عرب نے اپنی اولاد کو قتل کیا البتہ عصرِ حاضر میں اس نظریہ نے ایک جدید صورت اختیار کر لی ہے اور اس نظریہ کو ایک خوشنما لباس سے آراستہ کر لیا گیا ہے۔ مولانا امین احسن اصلاحی اسی بابت لکھتے ہیں:

"غور کیجیے تو معلوم ہو گا کہ اس معاملہ میں جو غلط فہمی عرب جاہلیت کے سنگدلوں کو لاحق ہوئی تھی اس کا شکار اس زمانہ کی متمدن حکومتیں ہو رہی ہیں، انہیں بھی خدا پر غصہ تھا کہ جب وہ بھرپور روٹی نہیں دے رہا تو اولاد میں کیوں اضافہ کیے جا رہا ہے؟ یہ غصہ وہ اولاد

کو قتل کر کے نکالتے تھے۔اس زمانہ کے متمدن انسان کو بھی یہ برہمی ہے کہ ابھی جب اپنے ہی معیارِ زندگی کو ہم اپنے مطلوبہ مقام پر نہ پہنچا سکے تو دوسروں کی ذمہ داری کا بوجھ اپنے کندھوں پر کس طرح اٹھالیں؟اس برہمی یا گھبراہٹ میں انہوں نے خاندانی منصوبہ بندی کی اسکیم بناڈالی۔شکلیں ذرا بدلی ہوئی ہیں،عرب اجڈ اور گنوار تھے اس وجہ سے انہوں نے ایک ناتراشیدہ اور بھونڈی سی شکل اختیار کی ،موجودہ زمانہ کا انسان مہذب اور تعلیم یافتہ ہے اس وجہ سے اس نے ایک خوب صورت سی شکل اختیار کی ہے اور نام بھی اس کا پیارا سا ڈھونڈ نکالا ہے لیکن فلسفہ دونوں جگہ ایک ہی ہے"۔[11]

اب تک کی بحث سے معلوم ہوا کہ جنم مخالف نظریہ ایک قدیم نظریہ ہے جو کسی نہ کسی شکل میں قدیم یونانی تہذیب میں پنپتا رہا ہے اور موجودہ زمانہ میں ایک نئی شکل وصورت کا ساتھ اس کا ورود ہوا ہے۔اگلی سطور میں ہم بدھ ازم میں اس نظریہ کے خدوخال کی تلاش کریں گے۔

بدھ ازم اور جنم مخالفت

ہندوؤں کے عقائد میں سے ایک اہم عقیدہ "تناسخ" کا ہے[12] جس کی رو سے مرنے کے بعد انسان کی روح اور آتما کو ایک اور جنم ملتا ہے اور جنم در جنم کا یہ سلسلہ چلتا رہتا ہے،ہندومت کا یہ عقیدہ ہے کہ جس طرح انسان روزانہ کی بنیاد پر اپنے کپڑے تبدیل کرتے ہیں اور پرانے کپڑوں کی جگہ نیا لباس زیب تن کرتے ہیں اسی طرح ہمارے اجسام بھی ہماری روحوں کے لیے ایک لباس کی حیثیت رکھتے ہیں اور ہماری روحیں ان لباسوں کو تبدیل کرتی رہتی ہیں،نئے جنم میں روح کو ملنے والے مقام اور شکل وصورت کا انحصار پچھلے جنم میں اس روح کے اعمال پر موقوف ہے اگر پچھلے جنم میں اچھے اعمال اختیار کیے ہوں گے تو نیا جنم اچھا ہوگا اور اگر پچھلے جنم میں اعمالِ بد کا ارتکاب کیا گیا ہوگا تو موجودہ جنم میں ان اعمالِ بد کا خمیازہ بھگتنا ہوگا جس کی عملی صورت یہ ہوگی انسان کو بدترین مخلوق کی صورت مثلاً کتا یا کسی اور جانور کی صورت میں پیدا کیا جائے گا۔جنم در جنم کے اس کٹھن چکر سے نجات پانے کا کوئی طریقہ ہندومت میں نہیں ہے اس لیے بدھ مت میں اس سے نجات پانے کا طریقہ "نروان" کے تصور وعقیدہ سے متعارف کرایا گیا۔[13]

بحث کو آگے بڑھانے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بدھ مت کے مطابق "نروان" کا مفہوم سمجھ لیا جائے۔ Historical Dictionary of Buddhism میں اس تصور کی وضاحت ان الفاظ میں کی گئی ہے:

"Nirvana. A Sanskrit term signifying the ultimate goal of Buddhism that does not resemble the Christian notion of Heaven. The term comes from a root that means to blow or to cover, suggesting the extinction of a flame by the use of breath or smothering it. The achievement of Nirvana in early Buddhism represents the end of suffering, Desire, Causation, and rebirth".[14]

یعنی "نروان" سنسکرت زبان کا لفظ ہے اور یہ ایک ایسی اصطلاح ہے جو بدھ مت کے اہم ترین مقصد کو بیان کرتی ہے۔مادۂ اصلی اور ماخذ اشتقاق کو سامنے رکھتے ہوئے اس کے معنی اڑانا،ڈھانپنا،سانس کو استعمال کرکے یا سانس کو دبا کر تکلیف کے احساس کو ختم کرنے کے ہیں۔بدھ ازم میں "نروان" کے حصول سے مراد مصائب،تکالیف،خواہشات اور دوبارہ پیدا ہونے سے آزادی پانا ہے۔پھر بدھ ازم میں اس تصور کی تقسیم ہے اور دو طرح کا نروان متعارف کرایا گیا ہے،ایک نروان میں بنیاد باقی رہتی ہے جب کہ دوسرے قسم کے نروان

میں بنیاد کا بھی خاتمہ ہو جاتا ہے اس قسم کے نروان کو حتمی نروان کہا جاتا ہے اور اس میں انسان کے نفسیاتی پہلوؤں کا مکمل خاتمہ ہو جاتا ہے ۔کشاف اصطلاحات الفلسفہ میں نروان کی وضاحت ان الفاظ میں کی گئی ہے:

"اس کا مطلب اعدام شخصیت ہے، بدھوں کے نزدیک نرواں سے مراد آخری حقیقت میں شعور کھوئے بغیر لیکن شخصیت کو ضائع کرنے کے بعد ضم ہونا ہے۔ اپنشدوں میں بھی نرواں کا ذکر ہے۔ وہاں اسے زندگی کا مقصد عظمیٰ قرار دیا گیا ہے اور اس سے مراد ایسی حالت ہے جہاں ہر قسم کا دکھ درد ختم ہو گیا ہو اور راحت ہی راحت موجود ہو"۔[15]

بدھ ازم میں کسی کو نروان تب حاصل ہوتا ہے جب وہ تمام تر دنیاوی بندھنوں سے آزادی حاصل کر لیتا ہے۔ اور یہیں سے اولاد کو برا سمجھنے کا تصور پیدا ہوتا ہے اس لیے کہ فطرتی طور پر اولاد انسان کے لیے محبوب ہوتی ہے۔ بدھ کا نظریہ ہے کہ خواہش یا تشنگی کا خیال مکمل طور پر ترک کرنے سے دکھ سے چھٹکارا ہوتا ہے اور اس تشنگی کو ختم کرنے کا نام نروان ہے۔ گوتم بدھ کے حالات زندگی میں لکھا ہے:

"پھر اس کے ہاں بیٹا پیدا ہوا۔ بیٹا پیدا ہونے کی خبر جب اسے ملی تو وہ ایک ندی کے کنارے باغ میں بیٹھا ہوا تھا۔ خبر سنتے ہی اس نے کہا! یہ ایک نیا اور مضبوط بندھن بنا ہے، جسے اب توڑنا ہی پڑے گا۔ اس کے من میں یہ خواہش پیدا ہوئی ان تمام دنیاوی آسائشوں کو چھوڑنے سے پہلے ایک بار اپنے بچے کو گود میں اٹھا پیار کر لے لیکن وہ ایک دم رک گیا"۔[16]

بدھ مت مذہب کی بنیاد چار عظیم سچائیوں پر مبنی ہے ان میں سے پہلی سچائی کا نام " دکھ " ہے۔ بدھ مت کے مطابق زندگی دکھ ہی دکھ کا نام ہے زندگی اس پہیہ کی طرح ہے جو اپنے محور سے ہٹ گیا ہو۔ کشیدگی، تناؤ، اضطراب، تکلیف اور غم اپنے مرکز و محور سے ہٹ جانے کی وجہ سے پیدا ہونے والے دکھ کی مختلف شکلیں ہیں۔ دوسری عظیم سچائی اس حقیقت کو تسلیم کرنا ہے کہ تمام تکالیف کا سبب " خواہش " ہے۔ خواہشات، خود غرض اور اندھی ہوتی ہیں جو انسان کو بھی خود غرض اور اندھا بنا دیتی ہیں انسان میں یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنی عارضی خوشیوں کی تکمیل چاہتا ہے۔ انسان کی شخصیت کا کمال اس وقت ہوتا ہے جب زندگی کا پہیہ اپنے محور پر گھومتا ہے، پھر کوئی رگڑ، کوئی تکلیف نہیں پہنچتی اور انسانی شخصیت میں کمال پیدا ہو جاتا ہے۔ یعنی جب انسان دوسرے انسانوں سے کٹ جاتا ہے اور محض ذاتی نفع و نقصان کو سوچتا ہے تو گویا اس انسان کی زندگی کا پہیہ اپنے مرکز و محور سے دور ہو گیا اب انسان کی زندگی میں رگڑ، جلن، غم ،تکلیف وغیرہ کا وجود ناگزیر ہو گا۔ اور جب یہ انا پرستانہ سوچ اپنی انتہاء کو پہنچتی ہے تو انسان اس نفسیاتی مریض کی مانند بن جاتا ہے جس نے کئی سالوں سے کسی دوسرے انسان کے ساتھ کوئی بات چیت نہیں کی ہوتی۔ مرکز و محور پر لوٹنے کے لیے اپنی ذات کی توسیع لازمی ہو گی اور یہ سوچ اپنانی ہو گی کہ تمام انسان باہم منسلک ہیں اور دیگر انسانوں کے نفع و نقصان کو اپنا ذاتی نفع و نقصان تصور کرنا ہو گا۔ ہم تکلیف اور اذیت سے تب آزاد ہو سکتے ہیں جب ہم اپنے مفاد کی تنگدستی سے آزاد ہو جائیں اور پوری انسانیت کے لیے اپنے مفاد کو بڑھا دیں ،جب ایک انسان تمام دیگر انسانوں کو اپنی ذات کی توسیع اور اپنے جسم کے اجزاء تصور کرنے لگتا ہے تو تیسری عظیم سچائی جنم لیتی ہے جس کو خواہشات پر غلبہ پانے کی تدبیر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ چوتھی عظیم سچائی خواہشات پر حقیقت میں غلبہ پا لینا ہے۔[17] جب تک کوئی شخص ان چار سچائیوں کو تسلیم نہیں کرتا وہ اس مذہب کے پیروکاروں میں شامل نہیں ہو سکتا۔ بدھ ازم کے مطابق '' دکھ '' کی وضاحت ان الفاظ میں کی گئی ہے: دکھ کی اہم ترین شکل بڑھاپا، بیماری اور موت ہے پیدائش سے ہی یہ تینوں دکھ ساتھ ہوتے ہیں۔ اس لیے پیدائش بھی دکھ میں شامل ہے۔ یہی دکھ ہے اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا، یہ واضح ترین صداقت ہے۔[18]

ہری سنگھ گور اپنی کتاب ''The spirit of Buddhism'' میں گوتم بدھ کے چند الفاظ کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

And in so stating the Law, Buddha was stating an elementary truth. It ''
is
desire or thirst for pleasure which is responsible births and perpetuation of the human species. If that desires can be effectively curbed, there would
be no births, and no deaths and in a very short time man will cease to be.''[19]

''اس قانون کو بیان کر کے بدھا ایک عظیم حقیقت بیان کرنا چاہتے ہیں کہ انسان کے اندر پائی جانے والی خوشی کی خواہش ہی انسان کی پیدائش اور نسلِ انسانی کے تسلسل کی ذمہ دار ہے اگر اس خواہش کو موئثر طریقے سے دبا دیا جائے تو نہ کوئی پیدائش ہو گی اور نہ ہی کسی کو موت کا سامنا کرنا پڑے گا''۔

اس نظریہ کے لغوی و اصطلاحی مفہوم نیز اس نظریہ کے ارتقاء کے بارے میں آگاہی حاصل کر لینے کے بعد ضروری محسوس ہوتا ہے کہ اس نظریہ کے قائلین کے بنیادی متدلات سے بھی آگاہی حاصل کر لی جائے، اگلی سطور میں اس نظریہ کے قائلین کے چند استدلالات ذکر کیے جاتے ہیں۔

پیدائش مخالف نظریہ کے حاملین کے بنیادی متدلات

Seana Valentine shiffrin کا استدلال

Seana Valentine shiffrin لاس اینجلس کی یونیورسٹی آف کیلیفورنیا میں فلسفہ کی پروفیسر ہیں اور جنم مخالف نظریہ کی قائل ہیں[20]۔ ان کا بنیادی استدلال اس بابت یہ ہے کہ جب ہم اپنے کسی عمل سے کسی دوسرے انسان کو نمایاں طور پر متاثر کرنے جا رہے ہوں اور ہمیں یہ معلوم نہ ہو کہ وہ شخص ہمارے اس عمل کے نتائج پر رضامند ہو گا یا نہیں تو طے شدہ بات یہ ہے کہ ہمیں ایسا عمل نہیں کرنا چاہیے۔ جب ہمیں کسی خاص شخص کی مرضی معلوم نہیں ہوتی اور ہم اس کی چاہت کا ادراک نہیں کر سکتے تو اس شخص کو نفع یا نقصان پہنچانے کی صورت میں فرضی رضامندی کا سہارا ضروری ہوتا ہے اور ہم فرضی رضامندی کو ان صورتوں میں موجود تصور کر لیتے ہیں جب کسی بڑے نقصان سے بچایا جا رہا ہو البتہ جن صورتوں میں کسی بڑے فائدے سے نوازنے کے لیے نقصان سے دوچار کیا جا رہا ہو تو یہ فرضی رضامندی متصور نہیں ہو سکتی۔

Seana Valentine shiffrin اُن چار عوامل کی فہرست پیش کرتی ہیں جن کی موجودگی میں فرضی رضامندی نا قابل اعتبار ٹھہرتی ہے اور فرضی رضامندی کی بنا پر عملی اقدام کرنے کا کوئی جواز ہمارے پاس باقی نہیں رہتا۔[21]

وہ چار عوامل و حقائق مندرجہ ذیل ہیں:

1. یہ حقیقت کہ اگر کوئی ایکشن نہ لیا جاتا تو کوئی بڑا نقصان نہیں ہونے والا تھا۔
2. اگر عملی اقدام کر لیا گیا ہے تو عملی اقدام کی صورت میں جو نقصان پہنچائے گئے وہ شدید ہوں۔
3. عملی اقدام کی صورت میں جس حالت سے دوچار کیا گیا ہے اس حالت سے نجات و چھٹکارا بہت بڑی قیمت ادا کیے بغیر ممکن نہ ہو۔
4. فرضی رضامندی کا تصور اُس انسان کی خصوصیات کو دیکھ کر نہیں اپنایا گیا جو اس مسلط کردہ حالت کو برداشت کرے گا۔

یہ چار حقائق فرضی رضامندی کے تصور کو رد کر دیتے ہیں۔ یعنی جب ایک انسان کی فرضی رضامندی کا تصور کر کے اور یہ سمجھ کر کہ یہ انسان اس عمل پر رضامند ہو گا اور اس عمل کے خلاف کوئی دعویٰ نہیں کرے گا اس انسان کو نقصان پہنچا دیا گیا تو مذکورہ بالا چار صورتوں میں فرضی رضامندی کا اعتبار ساقط ہو گا اور نقصان برداشت کرنے والے شخص کو نقصان دہندہ کے خلاف قانونی چارہ جوئی کا حق حاصل ہو گا۔ پہلی صورت یہ ہے کہ یہ نقصان نہ پہنچایا جاتا تو کوئی بڑا نقصان واقع ہونے والا نہیں تھا۔ مثلاً کسی راہ گیر کی طرف تیز ہوا میں کوئی تنکا اُڑتا ہوا آتا دیکھ کر ایک انسان اِس راہ گیر کو اس کی رضامندی پوچھے بغیر اس تنکا سے بچانے کے لیے دھکا دیدے اور وہ راہ گیر دیوار سے جا ٹکرائے۔ راہ گیر کے پوچھنے پر دھکا دینے والا شخص دھکا دینے کے عمل کا یہ جواز بتائے کہ چونکہ آپ کی طرف تنکا اُڑتا آرہا تھا اور مجھے اندیشہ تھا کہ وہ تنکا آپ کو کوئی نقصان پہنچائے گا لہٰذا میں نے آپ کو اس متوقع نقصان سے بچانے کے لیے دھکا دے دیا اور واضح الفاظ میں اجازت طلبی اس وجہ سے نہیں کی کہ میں نے آپ کی رضامندی فرض کر لی تھی کہ آپ میرے اس دھکا دینے کے عمل پر رضامند ہوں گے اور کوئی اعتراض نہیں کریں گے۔ اس صورت میں اگر راہ گیر انسان کو دھکا نہیں دیا جاتا تو بھی راہ گیر کا کوئی اتنا بڑا نقصان نہیں ہونے والا تھا لہٰذا فرضی رضامندی کا اعتبار ساقط ہو گا اور دھکا دینے کی وجہ سے راہ گیر کا کوئی جانی یا مالی نقصان ہو گیا تو راہ گیر کو نقصان کے ازالہ کا حق حاصل ہو گا۔

فرضی رضامندی کا اعتبار ساقط ہونے کی دوسری صورت یہ ہے کہ رضامندی فرض کر کے جو نقصان پہنچایا گیا ہے وہ شدید ہو بنسبت اس نقصان کے جو درپیش ہو۔ مثلاً مذکورہ بالا صورت میں ہی تنکا سے بچانے کے لیے دھکا دے دیا جائے اور دھکا اتنا شدید ہو راہ گیر کسی سخت چیز سے جا ٹکرائے اور اس ٹکر کی وجہ سے اس کا جانی یا مالی نقصان ہو جائے، یا کوئی بھی ایسا نقصان ہو جائے جو تنکا لگنے کی صورت میں ہونے والے نقصان سے بڑھ کر ہو، ایسی صورت میں بھی فرضی رضامندی کا اعتبار ساقط ہو گا۔

تیسری صورت جس میں فرضی رضامندی کا اعتبار ساقط ہوتا ہے یہ ہے کہ فرضی رضامندی کا اعتبار کر کے جو عمل اختیار کیا گیا اس کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی نئی صورت حال اتنی شدید ہو کہ اس سے نجات و چھٹکارا کے لیے بہت بڑے قیمت ادا کرنی پڑتی ہو، مثلاً یہی عملِ پیدائش کی صورت۔ اس عمل میں محض یہ سوچ کر ایک انسان کو زندگی فراہم کی جاتی ہے کہ وہ اپنی زندگی سے خوش ہو گا۔ جس شخص کو پیدا کیا جاتا ہے اس سے واضح الفاظ میں یا کسی مبہم طریقہ سے رضامندی کا حصول ممکن ہی نہیں ہوتا۔ اس انسان کو پیدا کرنے کے لیے عملِ پیدائش اختیار کرنے والے انسان کے پاس فرضی رضامندی کے علاوہ کوئی دلیل نہیں ہوتی۔ جب عملِ پیدائش اختیار کیا جاتا ہے اور ایک انسان اس جہاں میں آجاتا ہے تو یہ نئی صورت حال اتنی پریشان کن ہوتی ہے کہ اس سے نجات و چھٹکارا پانے کے لیے موت کی قیمت ادا کرنا پڑتی ہے۔ موت کے علاوہ کسی صورت میں ان حالات سے نجات و چھٹکارا پانا ممکن نہیں ہوتا۔ فرضی رضامندی کا اعتبار ساقط ہونے کی آخری صورت یہ ہے کہ جس خاص انسان کی فرضی رضامندی متصور کی گئی ہے اس کے حالات ممکن ہے دیگر افراد سے الگ ہوں۔ اس بات کا امکان ہے کہ دیگر افراد کی رضامندی کا اعتبار کرنا ان کے حالات کے اختلاف کی بنا پر ممکن ہو، لیکن جس خاص شخص کی رضامندی فرض کی گئی اور اس کے نتیجہ میں اس کو نقصان دہ صورت حال سے دوچار کیا گیا اس کے حالات ان افراد کے عمومی حالات سے الگ ہوں۔

Marc larock کا استدلال

Marc larock نے Possible preferences and the Harm of Existence کے عنوان سے معنون ایک مقالہ University of ST. Andrews میں پیش کیا اور اس مقالہ کی بدولت اپنی ایم فل کی ڈگری حاصل کی۔ اپنے مقالہ میں مارک نے مختلف

دلائل سے دنیاوی زندگی کو بدترین قرار دیا اور وجود کی بنسبت عدمِ وجود کو بہتر قرار دیا۔ ان کے دلائل میں سے سب سے اہم دلیل Deprivationalism ہے اگلی سطور میں اسی دلیل کی وضاحت کی جائے گی۔ اس نظریہ کو مارک نے اپنے نظریات کا نیو کلیئس قرار دیاہے، یہ نظریہ مندرجہ ذیل دو دعووں پر مشتمل ہے:

دنیاوی زندگی میں ہر بندہ نئی نئی مطمئن ترجیحات قائم کرنے کا خواہش مند ہوتا ہے، ہر بندہ کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کی امیدیں قائم ہوتی رہیں اور قیام کے بعد پوری بھی ہوتی رہیں اور خواہشات کے قیام و تسکین کا یہ سلسلہ دائمی و ابدی ہو۔

جب بھی کسی انسان کو ایک نئی امید قائم کرنے سے محروم کیا جاتا ہے تو اس کی وجہ سے انسان کی امید بکھرتی اور ٹوٹتی ہے، امید کا ٹوٹنا ،بکھرنا ایک محدود نقصان متصور ہو گا جس کی وجہ سے اس انسان کی زندگی میں ایک محدود مقدار کا نقصان اور منفی پہلو پیدا ہو گا۔ اگر ایک انسان ان دونوں باتوں کو تسلیم کرتا ہے تو وہ Deprivationalist ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کسی بھی انسان کو یہ مقام حاصل نہیں ہوا ہے کہ اس کی لا محدود تمنائیں پوری ہوئی ہوں۔ لہٰذا Deprivationalism نظریہ بتاتا ہے کہ وجود ہر حال میں عدمِ وجود سے بدتر ہے اور وجود کی بنسبت عدمِ وجود ہی بہتر ہے۔ Deprivationalism کے تحت مندرجہ ذیل وجوہات کی بنا پر وجود پذیر ہونا بدتر ہے۔

1. ہر انسان کو اس کی رضامندی کے بغیر پیدا کیا جاتا ہے اور وجود بخشا جاتا ہے۔
2. وجود پذیر ہونے کے بعد ہمیں مختلف قسم کی اشیاء فراہم کی گئی ہیں، لیکن بدقسمتی سے ان اشیاء کی فراہمی و دستیابی محدود ہے جو اشیاء اس زندگی میں ہم استعمال کر سکیں گے۔
3. بالآخر ہم میں سے ہر ایک مر جائے گا اور ہمیشہ کے لیے آئندہ بھی ان اشیاء کے استعمال سے محروم ہو جائے گا۔

اس نظریہ کے مطابق ''وجود'' ایک بدترین مذاق معلوم ہوتا ہے۔

Deprivationalism کی بنیاد اور اساس یہ ہے کہ جو شخص بھی پیدا ہوتا ہے اور اس دنیا میں اس کی آمد ہوتی ہے اس کو لازمی طور پر محرومی کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور یہ محرومی ایک نقصان ہے جبکہ معدوم اشخاص اس نقصان کا سامنا نہیں کرتے، لہٰذا عدمِ وجود ہی بہتر ہے۔ ان محرومیوں کا ذریعہ موت ہے اور موت کا ذریعہ عملِ پیدائش اختیار کرنا ہے، محرومیوں سے بچنے کے لیے موت سے بچنا ضروری ہے اور موت سے بچنے کا ذریعہ یہی ہے کہ عملِ پیدائش ترک کر دیا جائے۔[22]

David Benatar کا استدلال

موجودہ دور میں اس نظریہ کے حاملین کے قائد David Benatar ایک مفکر، فلسفی اور مصنف ہیں جو ۱۹۶۶ء میں پیدا ہوئے، David Benatar یونیورسٹی آف کیپ ٹاؤن میں فلسفہ کے پروفیسر ہونے کے ساتھ ساتھ اس شعبہ کے سربراہ بھی ہیں اور "Journal of Controversial ideas" کے ایڈیٹر بورڈ کے رکن بھی ہیں[23]۔ David Benatar کی وجۂ شہرت Antinatalism (پیدائش مخالف نظریہ) پر لکھی گئی ان کی شہرۂ آفاق تصنیف "Better Never to Have Been: The Harm of Coming into Existence." ہے جو ۲۰۰۶ء میں اشاعت کے مراحل سے گذر کر دستیاب ہوئی، اس کتاب میں David Benatar نے دعویٰ کیا ہے کہ وجود میں آنا ایک سنگین نقصان ہے لہٰذا مزید بچے پیدا کرنا اخلاقی طور پر غلط ہے

David Benatar کے مطابق زندگی کی خوشیوں کی بنیاد پر دنیاوی زندگی کے بارے میں فائدہ مند ہونے کا نظریہ قائم نہیں کیا جا سکتا، بلکہ زندگی کے فوائد اور نقصانات میں بہت فرق ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وجود پذیر ہونا بنسبت غیر موجود ہونے کے سراسر نقصان ہے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ اس بات میں کوئی دورائے نہیں ہیں کہ:

1. درد کی موجودگی بُری چیز ہے۔
2. خوشی کی موجودگی اچھی چیز ہے۔

لیکن خوشی اور غم کے غیر موجودگی کی صورت میں اس طرح کی رائے قائم نہیں ہوتی، اس لیے کہ:

3. درد کی غیر موجودگی اچھی چیز ہے اگرچہ اس اچھائی کو محسوس کرنے والا کوئی بھی نہ ہو، لیکن
4. خوشی کی غیر موجودگی بُری نہیں ہے جب تک کہ کوئی ایسا شخص موجود نہ ہو جس کو اس خوشی سے محروم کیا گیا ہے، اُس خاص شخص کے حق میں خوشی کا غیر موجود ہونا بُرا ہوگا اس کے علاوہ صورت میں خوشی کا غیر موجود ہونا بُرا نہیں ہے۔

David Benatar کا پیش کردہ موازنہ

David Benatar نے وجود و عدم میں سے عدم کو ترجیح دینے کے لیے ایک وجود و عدم کے درمیان ایک مشہور موازنہ قائم کیا ہے ،ڈیوڈ کہتا ہے میرے دعویٰ کو سمجھنے کے لیے دو منظر نامے پیش کرنا اور ان میں موازنہ قائم کرنا ضروری ہے۔ پہلا منظر نامہ یہ ہے کہ کوئی شخص وجود پذیر ہو اور دوسرا منظر نامہ یہ ہے کہ ایک شخص وجود سے محروم ہو۔ پہلے سے بیان کردہ نظریات کی روشنی میں ان دو اشخاص کے حالات میں موازنہ اس طرح قائم کیا جا سکتا ہے:

ڈائیاگرام نمبر ۱

موجود شخص	غیر موجود شخص
حالت نمبر ۱: درد کی موجودگی Bad(بد)	حالت نمبر ۳: درد کی غیر موجودگی Good(بہتر)
حالت نمبر ۲: خوشی کی موجودگی Good(بہتر)	حالت نمبر ۴: خوشی کی غیر موجودگی Not Bad(برا نہیں ہے)

اس میں دو رائے نہیں ہو سکتیں کہ نمبر ۱ حالت بری ہے اور نمبر ۲ حالت بہتر ہے، اس ڈائیاگرام میں نمبر ۳ حالت (درد کی غیر موجودگی) کو بہتر قرار دیا گیا ہے چاہے اس درد کو محسوس کرنے والا موجود نہ ہو۔ جبکہ نمبر ۴ حالت (خوشی کی غیر موجودگی) کو Not Bad(برا نہیں ہے) قرار دیا گیا کیونکہ کسی کو فوائد و منافع سے محروم نہیں کیا گیا ہے۔

ایک موجود انسان کی زندگی میں درد والم اور خوشی و کامرانی کی موجودگی لازمی طور پر ہوگی جبکہ غیر موجود شخص درد والم کا سامنا کرے گا نہ خوشی و کامیابی کا۔ جب ہم درد کی موجودگی اور درد کی غیر موجودگی کا باہم موازنہ کرتے ہیں تو درد کی غیر موجودگی قابلِ ترجیح ہے، اس

موازنہ سے عدم وجود کو وجود پر ترجیح حاصل ہو جاتی ہے۔اور جب ہم خوشی کی موجودگی اور خوشی کی غیر موجودگی کا باہم موازنہ کرتے ہیں تو خوشی کی موجودگی Benetar کے بیان کے مطابق اگرچہ بہتر ہے لیکن خوشی کی غیر موجودگی پر اس کو کوئی ترجیح حاصل نہیں ہے اس لیے کہ خوشی کی غیر موجودگی کی حیثیت "Not Bad" ہے جبکہ خوشی کی موجودگی کی حیثیت بہتر "Good" ہے۔جب ایک چیز کی دو جہتیں ہوں ایک جہت بدی کی اور دوسری جہت بہتری کی، جب کہ اس کے مقابل چیز بھی ذو جہتین ہو ایک جہت "Good" اور دوسری جہت "Not Bad" ہو تو ان چار حالتوں کے باہمی موازنہ سے غیر موجودگی وعدم کی حالت قابلِ ترجیح ہو گی اس لیے کہ عدم کی کوئی بھی حالت بد "Bad" نہیں ہے جبکہ وجود کی ایک حالت یعنی درد کی موجودگی "Bad" ہے۔[24]

Todd Kennedy Shackelford اور Gerald K. Harrison کے مستدلات

Todd Kennedy Shackelford ایک امریکی ماہر نفسیات ہیں اور آکلینڈ یونیورسٹی میں پروفیسر ہیں، موصوف بھی پیدائش مخالف نظریہ کے حاملین میں سے ہیں، انہوں نے بھی انسانی زندگی میں پیش آمدہ مصائب و آلام کو اپنا مستدل بنایا ہے، موصوف نے ان دلائل کی تطبیق نہ صرف انسانوں پر کی بلکہ جانوروں کو بھی اس میں داخل کیا اور یہ دعویٰ کیا کہ چونکہ جانور بھی مصائب و تکالیف کا سامنا کرتے ہیں لہٰذا کوشش کرنی چاہیے کہ مزید جانور پیدا نہ ہوں، وہ یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ جانوروں کو ان مصائب و آلام سے کیسے بچایا جائے؟ اور اس سوال کا جواب وہ ان الفاظ میں دیتے ہیں:

‘‘The best way to prevent animal suffering is to stop breeding them. With fewer sentient beings in existence, net suffering is lessened. Even if captive animals were bred with a guarantee of "net happiness," they would still suffer at some point in their lives, and sometimes very much.’’[25]

یعنی جانوروں کی ان تکالیف و مصائب کے خاتمے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ہم مزید جانور پیدا ہی نہ کریں، جتنے جانور کم ہوں گے اتنے ہی ان کے مصائب کم ہوں گے، بالفرض اگر ہم کسی جانور کو پنجرے میں بند کر کے اس بات کی ضمانت دیں کہ اس جانور کو ہر طرح کا آرام و سکون پہنچایا جائے گا، بروقت اور مناسب خوراک دی جائے گی، سردی و گرمی سے بچاؤ کا مکمل انتظام و انصرام کیا جائے گا اس سب کے باوجود کسی وقت ان کو مصائب کا سامنا ضرور کرنا پڑے گا۔

Gerald K. Harrison نیوزی لینڈ کی Massey University میں سینیئر لیکچرار اور جنم مخالف نظریہ کے حامل ہیں، انہوں نے اس موضوع پر ایک مقالہ بعنوان "Antinatalism and Moral Particularism" لکھا ہے[26]۔ جہاں ان کے دیگر بہت سارے استدلالات ہیں وہیں ایک خاص استدلال یہ بھی ہے کہ زندگی گذارنا ایک ملازمت ہے، درحقیقت اس نوکری کا بڑا حصہ انتہائی دردناک اور خوفناک ہے، اس ملازمت کا آغاز ہی برا ہوتا ہے، ہم جب پیدا ہوتے ہیں تو بے لباس ہوتے ہیں اور جب کوئی اجنبی ہمارے قریب آتا ہے تو ہم چیختے چلاتے ہیں، یہ ایک ایسا غیر مہذب آغاز ہے جس کا تصور کرنا ہی مشکل ہے، پھر کئی سالوں تک خود کھانا نہیں کھا سکتے، خود لباس نہیں پہن سکتے اور زندگی کا ایک لمبا عرصہ اپنی بقاء کے لیے دوسروں کی مدد اور خیر خواہی کے محتاج ہوتے ہیں ، باقی زندگی میں ترقی کی منازل طے کرنے کے لیے ہمیں برسوں تعلیمی سلسلہ جاری رکھنا پڑتا ہے وغیرہ۔ زندگی میں پیش آمدہ مصائب کا تذکرہ کرنے کے بعد موصوف مندرجہ ذیل الفاظ میں اپنا نتیجہ لکھتے ہیں:

> ‘‘The fact that stepping on your toe will cause you the harm of pain provides me with a moral reason not to step on your toe. Likewise, then, the fact that procreative acts will subject another to a catalog of harms of the kind mentioned

above, and others besides, is a fact that—other things being equal—can be expected to generate moral reason not to perform the act in question.''[27]

یعنی جس طرح کسی کے پاؤں میں کانٹا چبھونے کا اخلاقی جواز ہمارے پاس نہیں ہے اور اس کی وجہ وہ درد ہے جو ایک انسان محسوس کرے گا اسی طرح یہ حقیقت کہ ہمارے پیدائشی عمل سے ایک انسان کو ان گنت مصائب و تکالیف کا سامنا کرنا پڑے گا ہم سے پیدائشی عمل کا جواز سلب کر لیتی ہے۔

Dr Gerald Harrison نے اس موضوع پر مختلف مقالات لکھے ہیں، ایک مقالہ کا عنوان " Antinatalism, Asymmetry, and an Ethic of Prima Facie Duties " ہے جو "South African Journal of Philosophy" میں شائع ہوا۔ جبکہ اس موضوع پر ان کے دوسرے مقالہ کا عنوان "Better not to have Children " ہے جو ۲۰۱۱ء میں "*Think* " کے مجلہ میں شائع ہوا۔

اس مقالہ میں Dr Gerald Harrison کا بنیادی استدلال یہ ہے کہ انسان اس کرۂ ارض پر پایا جانے والا سب سے زیادہ مہلک حیوان ہے، انسان بالواسطہ یا بلاواسطہ اَن گنت حیوانوں کی ہلاکت کا سبب بنتا ہے، یہ انسان ہی ہیں جو اس دنیا کے ماحول کی خرابی کے ذمہ دار ہیں ،انسان دنیا میں اس قدر حرارت پیدا کر رہے ہیں جو آنے والے وقت میں لا تعداد جانوروں اور خود انسان کے لیے بھی نقصان دہ ثابت ہو گی۔ انسان کے پاس ایسے ذرائع اور وسائل ہیں جن کی بدولت پلک جھپکنے میں اس کائنات کے نظام کو عظیم تباہی و بربادی سے دوچار کیا جا سکتا ہے۔

وہ اپنا مدعیٰ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

''The best way to stop the destruction is to remove the destructive force; to remove humans by refraining from procreation. In short, the colossal amount of harm caused by humans gives us a moral reason to boycott the human species''.[28]

یعنی تباہی و بربادی اور ہلاکت کو روکنے کا سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ تباہ کن چیز کا خاتمہ کر دیا جائے اور ہلاکت کے منبع و سرچشمہ کو ہی ہلاکت سے دوچار کر دیا جائے اور چونکہ انسان ہی سب سے زیادہ مہلک واقع ہوا ہے لہٰذا انسانیت کا خاتمہ کر دیا جائے جس کی عملی صورت یہ ہے کہ موجودہ انسانوں کو عملِ پیدائش اختیار کرنے سے روک دیا جائے۔ مختصر یہ کہ انسان کی ذات سے پیدا ہونے والے نقصانات سے ہمیں انسانیت کے خاتمہ کی ایک اخلاقی وجہ دستیاب ہوتی ہے۔

قدیم ہندستانیوں کا استدلال

ہندوؤں میں "تناسخ" کے عقیدہ کی وجہ سے یہ سوچ اپنائی جاتی تھی کہ انسان اور دیگر جانور جنم در جنم کے اس چکر میں باہم جڑے ہوئے ہیں، یعنی اس بات کا امکان ہے کہ جو جانور اس جنم میں بشکلِ کتا، بلی، شیر، بھیڑیا وغیرہ نظر آ رہا ہے وہ پچھلے جنم میں انسان ہو اور اعمالِ بد کی سزا پانے کے لیے اس جنم میں جانور کی شکل میں اس دنیا میں آ گیا ہو اور اس کے برعکس یہ صورت بھی ممکن ہے کہ موجودہ شکل میں پایا جانے والا انسان پچھلے جنم میں کوئی جانور ہو جس نے پچھلے جنم کے اچھے اعمال کی وجہ سے انسانیت کا روپ دھار لیا ہو۔ انسانوں اور جانوروں کے اس باہمی تعلق سے ہندوستان کے لوگوں نے یہ سوچ اپنائی کہ اگلے جنم میں بطورِ سزا جانور کا روپ دھارنے سے تحفظ پانے کے لیے ضروری ہے کہ اس موجودہ جنم میں جانوروں کو کسی طرح کی تکلیف پہنچانے سے گریز کیا جائے لہٰذا اسی خیال سے مذہبی لوگوں نے جانوروں کو ذبح کرنا اور ان کھانا، پکانا ترک کر دیا۔ ہندوستانیوں کے اس قدیم تصور کے بارے میں Masahiro Morioka لکھتے ہیں:

''One of the important gifts the ancient Indians gave to antinatalism is the idea of veganism/vegetarianism. Ancient Indian religions generally believed that sentient

beings and human beings are deeply connected with each other through an infinite process of reincarnation. Among them, Jainism strictly refrained from eating animals and insects in order not to directly harm their lives. Their veganism is considered to have remotely influenced today's vegan antinatalist.''[29]

یعنی قدیم ہندوستانیوں نے جنم مخالف نظریہ کو جو خوبصورت تحفہ دیا ہے وہ سبزی خوری کا تصور ہے۔قدیم ہندوستانی مذاہب یہ مانتے ہیں کہ انسان اور جانور عملِ تناسخ کی وجہ سے باہم منسلک ہیں، جین مت نے جانوروں اور کیڑے مکوڑوں کو کھانے سے سختی سے منع کیا ہے تا کہ ان کی زندگیوں کو انسان سے نقصان نہ پہنچے۔قدیم ہندوستانی مذاہب کی سبزی خوری کو آج کے دور کے جنم مخالف نظریہ کے لیے متاثر کن قرار دیا جاتا ہے جس کے اثرات کی وجہ سے جنم مخالفین بھی گوشت خوری کے ترک اور سبزی خوری کی طرف مائل ہیں۔جانوروں کی تکلیف و درد کو سامنے رکھتے ہوئے گوشت خوری ترک اور سبزی خوری پسند کرنے والے افراد کو "Vegan Anti-natalist" کہتے ہیں۔

Karim Akerma نے جرمن زبان میں سبزی خوری، گوشت خوری اور جنم مخالف نظریہ کے باہمی تعلق پر ایک مقالہ لکھا ہے جس کا انگریزی ترجمہ ڈاکٹر "Alexander Reynolds" نے کیا ہے، مقالہ کا عنوان " Ist der Vegetarismus ein Antinatalismus? '' ہے۔ان کا کہنا ہے کہ انسان مختلف وجوہات کی بنا پر سبزی خوری کے عادی اور گوشت خوری کے تارک ہوتے ہیں، کچھ انسان تو بلا وجہ سبزی خور ہوتے ہیں، کچھ ایسے ہوتے ہیں جن کو گوشت پسند ہوتا ہے لیکن وہ یہ سوچ کر گوشت نہیں کھاتے کہ گوشت خوری ان کی صحت کے لیے نقصان دہ جبکہ سبزی خوری ان کی صحت کے لیے مفید ثابت ہو سکتی ہے۔یہ وہ لوگ ہیں جو ذاتی مقاصد کی خاطر سبزی خوری کا راستہ منتخب کرنے والے ہیں، اس قسم کے سبزی خور افراد کو (Aesthetic) سبزی خور کہا جاتا ہے۔Ethical Vegetarians وہ افراد ہیں جو اپنے بارے میں فکر مند نہیں ہیں بلکہ ان کی فکر مندی جانوروں کے بارے میں ہے اس لیے کہ جانور بھی درد والم محسوس کرتے ہیں۔ان افراد کی گوشت خوری ترک کرنے کی وجہ یہ حقیقت ہے کہ گوشت خریدنا ایسا عمل ہے جو جانوروں کے لیے درد و تکلیف پیدا کرتا ہے۔گوشت خوری اور گوشت کی خریداری کی وجہ سے جانوروں کی افزائشِ نسل کے ظالمانہ طور طریقے اختیار کیے جاتے ہیں، پھر جانوروں میں فربہی لانے کے مختلف حربے کیے جاتے ہیں اور بالآخر ظالمانہ طریقے سے ذبح کر دیا جاتا ہے۔Ethical Vegetarianism کی بنیادی سوچ اور فکر یہ ہے کہ ان تمام افعال کو ترک کر دینا چاہیے جس کے نتیجہ میں جانوروں کے لیے تکلیف پیدا ہوتی ہے۔

Schopenhauer کا نظریہ قنوطیت

پیدائش مخالف نظریہ کے قائلین میں ایک اہم نام شوپنہور کا ہے، جنھوں نے نظریہ قنوطیت کی بناء پر حیاتِ دنیاوی کو بدترین قرار دیا۔

Masahiro Morioka اس بات کی تصریح کرتے ہیں کہ Schopenhauer جنم مخالف نظریہ کے قائل تھے، ان کے الفاظ ہیں:

> ''Schopenhauer writes that the most important truth is the recognition that "it would have been better if we had never existed.''[30]

نظریہ قنوطیت کی رو سے کائنات کی حقیقت ہی شر ہے، وجود سے عدم بہتر ہے، اس کائنات میں موجود ہر شئ شر ہی شر ہے، دنیا اور حیاتِ دنیا دونوں بری ہیں، اس دنیا میں شر کی اس قدر کثرت ہے کہ پیدا نہ ہونا ہی بہتر ہے۔اور وجود و بقاء سے بدرجہا بہتر فنا ہے۔زندگی کے بدتر ہونے سے مراد کسی خاص شخص کی زندگی نہیں بلکہ حیات من حیث الحیات ہی بری ہے اور اس دعویٰ میں اس شخص کی زندگی بھی داخل ہے جو ہماری سوچ کے مطابق بہترین زندگی گذار رہا ہے۔ڈاکٹر میر ولی الدین اس نظریہ کی توضیح میں لکھتے ہیں:

"قنوطیت اپنی انتہائی شکل میں ہمہ شیطانیت کہلاتی ہے جس کی رو سے کائنات کی انتہائی حقیقت کے قلب میں شر ہی شر پایا جاتا ہے، زندگی کا مایۂ خمیر ہی شر ہے، تمام چیزیں شر ہیں، یعنی جو چیز بھی وجود رکھتی ہے شر ہے"۔[31]

زندگی کو اس قدر بدتر سمجھنے والے اور زندگی پر منفی نگاہ ڈالنے والے اس نظریہ کے قائلین اپنے اس نظریہ کے اثبات میں چند دلائل کا سہارا لیتے ہیں۔ ان کی سب سے پہلی دلیل " لذتی برہان " ہے۔ اس دلیل کا مدعا یہ ہے کہ کائنات میں درد و الم، مصیبت و تکلیف کا وفور ہے جبکہ اس کے مقابلے میں راحت و سکون مفقود یا قلیل ہے، اس قدر کثیر شر کے مقابلے میں قلیل خیر کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ درد و الم ایجابی ہیں اور لذت و مسرت محض سلبی۔ مسرت یا لذت ہمیشہ کسی خواہش کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے، خواہش یعنی احتیاج ہر لذت کے پہلے پائی جاتی ہے، جوں ہی خواہش کی تشفی و تسکین ہوتی ہے لذت مفقود ہو جاتی ہے لہٰذا تشفی یا مسرت دراصل کسی احتیاج یا درد سے نجات یابی ہے۔ ہمیں خواہش کا ویسے ہی احساس ہوتا ہے جیسے بھوک اور پیاس کا۔ لیکن جوں ہی ان کی تشفی ہو جاتی ہے تو لذت کھائے ہوئے لقمے کی طرح غائب ہو جاتی ہے جس کا وجود ہمارے احساس کے لیے اسی دم مفقود ہو جاتا ہے جب وہ حلق سے نیچے اتر جاتا ہے ۔ خواہش کی تسکین کے بعد ہماری وہی حالت ہو جاتی ہے جو اس خواہش یا تکلیف کے ظہور سے پہلے تھی تو اس کے یہ معنی ہوئے کہ درد و الم کا احساس ایجابی جبکہ لذت و مسرت کا احساس محض سلبی ہے۔ لذت کی تسکین و تشفی کا احساس اسی وقت ہوتا ہے جب ہم سابقہ تکلیف و احتیاج کو یاد کرتے ہیں، براہِ راست جس چیز کا ہمیں احساس ہوتا ہے وہ محض درد و الم ہے۔ اسی وجہ سے ہمیں خوف کا احساس تو ہوتا ہے لیکن امن کا نہیں۔ ہمیں تفکرات کا احساس تو ہوتا ہے لیکن تفکرات سے آزادی و چھٹکارا کا احساس نہیں ہوتا۔

قنوطیت کے اثبات میں پیش کی جانے والی دوسری دلیل کا نام " اخلاقی برہان" ہے۔ اس دلیل کا حاصل یہ ہے کہ دنیا میں نہ صرف شر کی کثرت ہے بلکہ یہ دنیا خیر سے محروم بھی ہے اس دنیا میں خیر کا کوئی وجود نہیں ہے اگر خیر کی کوئی شکل و صورت نظر آتی ہے تو وہ استثنائی صورت ہے۔ ڈاکٹر میر ولی الدین اس کی وضاحت میں رقم طراز ہیں:

> "اس برہان کا منشاء یہ ہے کہ یہاں نہ صرف مسرت و شادمانی کا فقدان ہے بلکہ کسی اچھی قابلِ قدر شئی کا وجود بھی نہیں جس کو بذاتہٖ اچھی کہہ سکیں، جو زندگی کو قابلِ برداشت بنا سکے۔ یہاں نہ نیکی ہے نہ علم، نہ حسن و جمال نہ صداقت و حکمت۔ اگر ہیں بھی تو صرف برائے نام جن کا ہونا نہ ہونا برابر۔ یا یوں کہو کہ یہ چیزیں بطورِ استثنیٰ پائی جاتی ہیں اور خبث و شر، جہل و حماقت ،بدی و بدصورتی بطورِ قاعدہ"۔[32]

اثباتِ قنوطیت کی تیسری دلیل کا عنوان "تاریخی و نظری استدلال" ہے۔ حاصل اس استدلال کا یہ ہے کہ مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ انسان کی خباثت و شرارت میں اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے، تہذیب و تمدن جوں جوں ترقی پا رہے ہیں انسانی خبث و شر بھی اسی مناسبت سے روز افزوں ہے۔ شوپنہور کے نزدیک علم و عقل میں اضافہ یا تہذیب و تمدن میں ترقی کا مطلب درد و الم میں یقینی اضافہ ہے۔ اس بابت شوپنہور کا یہ کہنا ہے کہ اگر ہم حیوانات کا مشاہدہ کریں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ سادہ و بسیط جسم و شعور کے حامل حیوانات میں احساسات کا ادنیٰ درجہ پایا جاتا ہے اور اس ادنیٰ احساس کی بدولت ایسے حیوانات پر سکون زندگی گذارتے ہیں اس کی واضح مثال انسان کے مقابلے میں گائے بیل وغیرہ کی زندگی ہے یہ جانور اُن ہزار ہا تفکرات، مصائب، غموم و آلام سے آزاد ہیں جو انسان کے درپے آزار ہیں، گویا ان جانوروں نے مسرت کا یہ راز پا لیا ہے کہ حقیقی خوشی فکر و رنج سے نجات ہے نہ کہ لذت کی تلاش۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ جیسے جیسے شعور ترقی پاتا ہے تو درد و الم میں بھی اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے، گھوڑا اور مچھلی میں تقابل سے معلوم ہوتا ہے کہ گھوڑا میں مچھلی کی بنسبت کسی قدر احساس زیادہ ہے لہٰذا گھوڑے کی زندگی مچھلی کی زندگی کی بنسبت کسی قدر المناک واقع ہوئی ہے جبکہ مچھلی کی زندگی ضرب المثل کے طور

پر ہشاش بشاش واقع ہوئی ہے۔پودوں کی زندگی میں احساس کی کمی کی وجہ سے مچھلی سے بھی کئی گنا قلیل مقدار درد والم کی ہے، علیٰ ہذا القیاس جوں جوں شعور کے زینے اترتے چلے جائیں درد والم کا احساس رفتہ رفتہ کم ہوتے ہوتے بالکلیہ مفقود ہو جاتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ انسان جو عقل و شعور کے ارتقاء کے اعلیٰ مقام و مرتبہ پر فائز ہے اس میں درد والم کے احساس کی کمال درجہ صلاحیت پائی جاتی ہے۔ڈاکٹر میر ولی الدین، شوپنہور کی اس دلیل کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

"اب جوں جوں تہذیب و تمدن میں ترقی ہوتی جائیگی، ضروریاتِ زندگی بھی بڑھتی جائینگی اور نئی نئی احتیاجیں پیدا ہوتی جائیں گی ظاہر ہے کہ انسان کی خواہشوں میں بھی زیادتی ہوگی اور جیسا کہ لذتی برہان میں ثابت کیا گیا خواہش کے معنی احتیاج کے ہیں۔احتیاج کے معنی فقدانِ شئ کے جو مساوی ہے غم والم کے، لہٰذا تہذیب کی ترقی غم والم کی ترقی ہے"۔[33]

خلاصہ تحقیق

(Anti-Natalism) جنم مخالف نظریہ ایک قدیم نظریہ ہے جس کے آغاز کے بارے میں کوئی حتمی رائے قائم کرنا مشکل ہے۔البتہ قدیم یونانی تہذیب اور بدھ مت میں اس نظریہ کے قائلین اور اس نظریہ کے آثار و نشانات ملتے ہیں۔(Anti-Natalism) ایک ایسا نظریہ ہے جس نے حیاتِ دنیاوی کو بدترین قرار دیا اور وجود کی بنسبت عدم کو بہتر گردانا ہے۔اس نظریہ کے قائلین نے موجودہ انسانوں سے یہ مطالبہ کیا ہے کہ وہ مزید انسان پیدا کرنا بند کردیں۔جنم مخالف نظریہ کے قائلین نے عملِ پیدائش کے ترک کا مطالبہ کرنے کے لیے مختلف دلائل کا سہارا لیا ہے۔اس تحقیقی مقالہ میں جنم مخالف نظریہ کے تعارف، تاریخی ارتقاء اور ان کے بنیادی دلائل جاننے کی کوشش کی گئی ہے۔اس تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ جنم مخالف نظریہ کے قائلین میں سے Seana Valentine Shiffrin کی دلیل یہ ہے کہ چونکہ ہم پیدا ہونے والے انسان سے پیدائش کی بابت پیشگی رضامندی کا استفسار نہیں کرسکتے لہٰذا عملِ پیدائش اختیار کرنا ٹھیک نہیں ہے۔David Benatar کی رائے یہ ہے کہ انسان کو عملِ پیدائش اختیار کرکے شدید نقصان سے دوچار کیا جاتا ہے لہٰذا ہمارے پاس عملِ پیدائش اختیار کرنے کا کوئی اخلاقی جواز نہیں ہے۔ پیدائش مخالف نظریہ کے قائلین میں ایک اہم نام Schopenhauer شوپنہور کا ہے جنہوں نے نظریہ قنوطیت کی بناء پر حیاتِ دنیاوی کو بد ترین قرار دیا۔ Karem Akerma نے ''Ethical Vegetarianism'' کو عملِ پیدائش کے ترک کی دلیل کے طور پر پیش کیا ''Ethical Vegetarianism'' کی بنیادی سوچ یہ ہے کہ ان تمام افعال کو ترک کر دینا چاہیے جو جانوروں کے لیے ضرر رساں ہوں۔ Dr Gerald Harrison کا بنیادی استدلال یہ ہے کہ انسان اس کرۂ ارض پر پایا جانے والا سب سے مہلک حیوان ہے لہٰذا کرۂ ارض سے انسانیت کا خاتمہ کر دیا جائے جس کی عملی صورت یہ ہے کہ موجودہ انسان مزید انسان پیدا کرنا بند کردیں۔

نتائج بحث

(Anti-Natalism) جنم مخالف نظریہ ایک قدیم نظریہ ہے۔قدیم یونانی تہذیب اور بدھ مت میں اس نظریہ کے قائلین اور اس نظریہ کے آثار و نشانات ملتے ہیں۔

(Anti-Natalism) ایک ایسا نظریہ ہے جس نے حیاتِ دنیاوی کو بدترین قرار دیا اور وجود کی بنسبت عدم کو بہتر گردانا ہے۔

Schopenhauer نے نظریہ قنوطیت کی بناء پر حیاتِ دنیاوی کو بدترین قرار دیا۔

Karem Akerma نے "Ethical Vegetarianism" کو عملِ پیدائش کے ترک کی دلیل کے طور پر پیش کیا۔

Dr Gerald Harrison کا بنیادی استدلال یہ ہے کہ انسان اس کرۂ ارض پر پایا جانے والا سب سے زیادہ مہلک حیوان ہے لہٰذا کرۂ ارض سے انسانیت کا خاتمہ کر دیا جائے جس کی عملی صورت یہ ہے کہ موجودہ انسان مزید انسان پیدا کرنا بند کر دیں۔

Seana Valentine Shiffrin کی دلیل یہ ہے کہ چونکہ ہم پیدا ہونے والے انسان سے پیدائش کی بابت پیشگی رضامندی کا استفسار نہیں کر سکتے لہٰذا عملِ پیدائش اختیار کرنا ٹھیک نہیں ہے۔

David Benatar کی رائے یہ ہے کہ کسی انسان کو عملِ پیدائش اختیار کر کے شدید نقصان سے دوچار کیا جاتا ہے لہٰذا ہمارے پاس عملِ پیدائش اختیار کرنے کا کوئی اخلاقی جواز نہیں ہے۔

---

[1] Masahiro Morioka جاپان کے ایک اہم فلسفی ہیں اور جاپان کی "waseda University" کے شعبہ اخلاقیات اور فلسفہ کے پروفیسر ہیں، علاوہ ازیں موصوف دو مجلات "Journal of Philosophy of Life" اور "Eudios Journal of Asian and International Bioethics" کے ایڈیٹر کے فرائض بھی سرانجام دے رہے ہیں۔

Retrieved from: https://en.wikipedia.org/wiki/Masahiro_Morioka Oct 1st /08:34 AM

[2] Masahiro Morioka, What Is Antinatalism? Definition, History, and Categories, *The Review of Life Studies* Vol.12 (May 2021) 2

[3] Masahiro Morioka, What Is Antinatalism? Definition, History, and Categories, 2.

[4] Masahiro Morioka, What Is Antinatalism? Definition, History, and Categories, 2.

[5] Masahiro Morioka, What Is Antinatalism? Definition, History, and Categories, 2.

[6] Masahiro Morioka, What Is Antinatalism? Definition, History, and Categories, 05.

[7] مولانا شبلی نعمانی، الکلام (معارف اعظم گڑھ، ۱۳۴۱ھ) ۱۵۳۔

Molana Shiblī, Numānī, *Al-kalām*, (Ma-ārif Azam Garh, 4th edition,1341AH) 153

[8] Asheel singh یونیورسٹی آف جوہانسبرگ کے شعبہ فلسفہ میں سینئیر لیکچرار ہیں۔

Retrieved from: https://www.uj.ac.za/contact/Pages/Asheel-Singh.aspx Oct 1st /08:34 AM

[9] Ashīl singh, *Assessing Anti-Natalism, A philosophical Examination of the morality of procreation*,(5) (https://ujcontent.uj.ac.za/vital/access/services/Download/uj:7429/CONTENT1

[10] مولانا عبدالماجد دریا آبادی، تفسیر ماجدی (لاہور، پاک کمپنی اردو بازار) ۳۵۷۔

Molana Abdul Mājid, Daryā abādī, Tafsīr e Mājidī (Lahore ,Pak company Urdu Bazar) 357

[11] مولانا امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن (لاہور، فاران فاؤنڈیشن، سن اشاعت ۲۰۰۹ء) ج ۳، ص ۲۰۰۔

Molana, Amīn Ahsan, Islāhī, Tadabbur e Qurān,(Lahore Faran Foundation,2009)3:200

[12] Lewis More, *Encyclopedia of world religion*, Translation by Sadia Jawad, Yasir Jawad, (Al-Matba al Arabia, Lahore,2003) 159

[13] Encyclopedia of world Religions, (107)

[14] Carl olson, *Historical Dictionary of Buddhism*, ,(The Scarecrow press, Toronto, 2009) 179

[15] سی، اے، قادر، کشاف اصطلاحات الفلسفہ (لاہور، بزم اقبال، سن اشاعت ۱۹۹۴) ۳۱۲۔

C,A,Qādir,Kashāf Istilāhāt e Falsafah,(Bazm e Iqbal,Lahore1994)312

[16] Lewis More, *Encyclopedia of world religion*, Translation by Sadia Jawad, Yasir Jawad, (Al-Matba al Arabia, Lahore,2003) 216

[17] Ivor morrish, *The Thoughtful Guide to Religion*,(Pentagon press, New Delhi India ,2007) (140)

[18] Lewis More, *Encyclopedia of world religion*, Translation by Sadia Jawad, Yasir Jawad, (Al-Matba al Arabia, Lahore,2003) 225

[19] Hari singh Gour,*The spirit of Budhism*.,(Lal chand and sons, 76 lower circular road, Calcutta) (287)

[20] Retrieved From: https://law.ucla.edu/faculty/faculty-profiles/seana-shiffrin Oct 1st /08:34 AM

[21] Seana valentine shiffrin, Wrongful life, Procreative responsibility, and the significance of harm, *Legal theory*, (5:1999) (131)

[22] Marc Larock، *Possible preference and the harm of Existence*,(89) https://www.scribd.com/document/344035993/Larock-Marc-Possible-Preferences-and-the-Harm-of-Existence

[23] Retrieved from: https://en.wikipedia.org/wiki/David_Benatar Oct 1st /08:34 AM

[24] David Benatar, *Better never to have been*,(Oxford University press, 2006) (35)

[25] Sayma H. Chowdhury and Todd K. Shackelford, TO BREED, OR NOT TO BREED*? Evolutionary Psychological Science*, April 2017 (02)

[26] Retrieved from: https://www.massey.ac.nz/massey/expertise/profile.cfm?stref=226040 Oct 1st /08:34 AM

[27] Gerald K. Harrison, Antinatalism and Moral Particularism,*(Essays in Philosophy*, Volume 20, Issue 1)07.

[28] Dr Gerald Harrison, Better not to have Children,(*Think*, *Spring 2011*,) 114

[29] Masahiro Morioka, (*The Review of Life Studies)* (08)

[30] Masahiro Morioka,(*The Review of Life Studies*) 06

[31] ڈاکٹر میر ولی الدین، قنوطیت یعنی فلسفۂ یاس(حیدر آباد دکن، انڈیا۱۳۵۵ھ)۲۔

Dr, Mir Waliuldin, *Qanūtiyyat, Falsafa e yas,*(Haidar Abad,Daccen,India,1355AH)*2.*

[32] Dr, Mir Waliuldin,24

[33] Dr, Mir Waliuldin,32